عالمی امن قائم کرنے کے تین بنیادی اصول امام علی علیہ السلام کی نگاہ میں

زوار حسین مطہری[١] (پاکستان)

اشاریہ:

معاشرے[٢] میں اجتماعی اور انفرادی زندگی کا فلسفہ امن اور بھائی چارے پر مبنی ہے اور اسی اصول کی وجہ سے قرآن مجید اور امیر المومنین امام علی علیہ السلام کی سیرت سے امن کا پیغام ملتا ہے۔ اسلام کا وجود سماجی زندگی میں امن کی تاکید کرتا ہے، اور یہاں تک کہ امام علی علیہ السلام کے ٢٥ سالہ طویل صبر کو بھی اسی روشنی میں دیکھا جانا چاہئے۔

قرآن مجید اور امیر المومنین علیہ السلام کے اقوال میں، مختلف ممالک، اقوام اور معاشروں کے مابین امن پیدا کرنے کے لئے تین سنہری اصول موجود ہیں، جو بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ انسانی حقوق کا احترام، دوسروں کی شخصیت کا احترام اور دوسروں کے حقوق کو قبول کرنا، یہ وہ اصول ہیں جن کی رعایت کرنے سے انسانی معاشروں میں سلامتی، فلاح و بہبود اور پایدار امن کی بنیاد پڑھ سکتی ہے۔

اسلام تمام انسانوں کو مفاہمت اور صلح کی دعوت دیتا ہے اور اسی چیز میں انسانیت کی بقاء جانتا ہے یہ اسلام کی ظرفیت کی دلیل ہے کہ تمام تر اختلافات کے باوجود دنیای اہل کتاب کو صرف ایک «کلمہ» کی بنیاد پر اتحاد و یکجہتی کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام میں، جنگ اسی وقت ضروری ہے جب دشمنوں کے ہاتھوں میں اسلام کی شان ختم ہو جائے اور دشمن، اسلام کی نابودی چاہتا ہو اور اس مقصد کے لئے کوشش کرے۔ اسلام نے ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل اور ایک انسان کی نجات کو پوری انسانیت کی نجات کے مترادف قرار دیا ہے، اس

١. (ایم فل جامعہ المصطفی العالمیہ)

٢. یہ مقالہ اسلامک اسکالر حجۃ الاسلام ڈاکٹر محمد یعقوب بشوی صاحب کا ہے جو ١٣٩٨ شمسی کو ایران کے دارالحکومت تہران میں منعقدہ بین الاقوامی کانفرنس امام علی پژوہی میں برتر قرار پایا چونکہ اصل مقالہ فارسی زبان میں تھا اس کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے اردو زبان قارئین کی خدمت میں اس کا اردو میں ترجمہ پیش کیا ہے۔

سے اسلام میں سلامتی کی اہمیت اہمیت کا پتہ چلتا ہے اوراسلام کے نزدیک احترام انسانیت کاجذبہ کھل کرسامنےآتاہے۔

کلیدی الفاظ: قرآن کریم، امام علی، تین سنہری اصول، امن، صلح، انسانی حقوق کی رعایت، شخصیت کا احترام، دوسروں کو جینے کا حق دینا۔

مقدمہ:

اسلام کے مستقل اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ سب انسانوں کے درمیان، خاص طور پر مسلم معاشرے کے اندر صلح و مفاہمت کے ساتھ پر امن زندگی قائم کی جائے۔ کیونکہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے جو کسی بھی قوم کے خلاف جبر اور جارحیت کو تسلیم نہیں کرتا، اور اسلام کی تمام کوششیں معاشرے میں امن وامان پیدا کرنا ہیں۔

مفاہیم سے آشنائی:

یہاں پر الفاظ اور شرائط کے لحاظ سے قرآن مجید میں اور امیر المومنین امام علی) علیہ السلام (کے کلمات میں امن کے معنی کا جائزہ لوں گا۔

صلح کے لغوی معنی:

صلح ایک عربی کلمہ ہے اور کلمہ صلح مَصالحہ اور مُصالحہ باب مفاعلہ کے مصدر سے ماخوذ ہے، اسکا لغوی معنی آشتی و مفاہمت ہے (عمید، فرہنگ عمید، ص۱۶۲۸) ۔

صلح کا اصطلاحی معنی:

صلح عام طور پر دو معنی میں استعمال ہوتا ہے (جعفری لنگرودی، ترمینالوژی حقوق، ص۴۰۸)، پہلے معنی میں امن بمقابلہ جنگ اور تنازعہ، جو موجودہ دور میں بین الاقوامی قانون میں سے ایک ہے۔ دوسرا معنی میں امن کو فردی حقوق میں ایک معاہدہ کے طور پر جانا گیا ہے۔

صلح کا مفہوم وہاں پیدا ہوتا ہے کہ جہاں پر لڑنا ضروری ہو. لیکن ابتدائی جہاد، دفاعی جہاد اور باغیوں سے مقابلہ کرنا امام علی علیہ السلام کے زمانے میں فرض ہوتا ہے لیکن اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ امام معصوم دشمن کے ساتھ امن معاہدے پر دستخط کریں۔ اور جہاں مسلمانوں کی تعداد کم ہے اور وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یا وہ طاقت حاصل کرنے کے لئے جنگ چھوڑ دیتے ہیں، یا اس امید پر کہ دوسرا فریق اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ پہلو نہ ہو تو صلح قائم کرنا جائز نہیں ہے (محقق حلی، شرائع الاسلام، کتاب جہاد/ نقل از مجموعہ آثار شہید مطہری)، ج۱۶، ص۶۲۸) ۔

قرآن مجید اور امام علی علیہ السلام کے ارشادات کے مطابق صلح:

قرآن مجید اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے اقوال میں، قوموں کے درمیان امن کی بنیاد پیدا کرنے

کے لیے تین اصول بیان کیے گئے ہیں، اور ان اصولوں کو عملی جامہ پہنانے سے ہم مختلف اسلامی اور غیر اسلامی معاشروں میں پائیدار امن قائم کر سکتے ہیں۔

اور اس مضمون میں صلح کے معنی مفاہمت آمیز زندگی گزارنا ہے جس پر قرآن اور اہل بیت علیہم السلام نے زور دیا ہے۔ قرآن مجید نہ تنہا مسلم معاشرے میں عدل کا حامی ہے بلکہ غیر مسلم کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے: «لایَنْهاکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذینَ لَمْ یُقاتِلُوکُمْ فِی الدّینِ وَلَمْ یُخْرِجُوکُمْ مِنْ دِیارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطینَ» (ممتحنہ، ۸)؛ جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اللہ تمہیں ان کے ساتھ احسان کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا، اللہ یقینا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یہ آیت غیر مسلم اقلیت کے حقوق کی حفاظت اور ان سے عادلانہ رفتار کی بات کر رہی ہے۔ معاشرے ایک طبقہ بے طرف ہے ان پر ظلم نہیں ہونا چاہئے۔

اسی طرح قرآن مجید میں اہل کتاب کے بارے میں واضح فرمان موجود ہے: «وَلاتُجادِلُوا اَهْلَ الْکِتابِ اِلّا بِالَّتی هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذینَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَ قُولُوا آمَنّا بِالَّذی اُنْزِلَ اِلَیْنا وَ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَ اِلٰهُنا وَ اِلٰهُکُمْ واحِدٌ وَ نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ» (عنکبوت، ۴۶)؛

اور تم اہل کتاب سے مناظرہ نہ کرو مگر بہتر طریقے سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں اور کہدو کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ اس آیت میں واضح طور پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اختلافات کے وقت سب کے لئے مرجع اور ملاک قانون ہونا چاہئے اور سب کو توحید محوری اور خداپرستی کے دائرے میں رہتے ہوئے دلیل و برہان کے ذریعے ایک دوسرے سے بات کرنے کی ضرورت ہے: «قُلْ یا اَهْلَ الْکِتابِ تَعالَوْا اِلیٰ کَلِمَةٍ سَواءٍ بَیْنَنا وَ بَیْنَکُمْ اَلّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلا نُشْرِکَ بِهِ شَیْئًا وَلایَتَّخِذَ بَعْضُنا بَعْضًا اَرْبابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِاَنّا مُسْلِمُونَ» (آل عمران، ۶۴)؛ کہدیجیے: اے اہل کتاب! اس کلمے کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں، پس اگر نہ مانیں تو ان سے کہدیجیے: گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں"!

اسلام نے صلح اور مفاہمت کو بنیادی اصول قرار دیا ہے، اور یہاں تک کہ تمام اہل کتاب سے صرف

ایک ہی مسئلے کی بنیاد پر اتحاد کا مطالبہ کیا ہے۔ تمام اندرونی اختلافات پر غلبہ اس وقت پا سکتا ہے جب دوسروں کی اچھائیاں انسان کو نظر آئے اور کسی بھی اہم مشترک صفت کو بنیاد بنا کر معاشرے سے ناانصافی کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ اسلام عالمی سطح پر صلح قائم کرنے کے لئے ایسا بہترین فرمولا پیش کرتا ہے جو احترام متقابل پر استوار ہے۔ مفاہمت پہلے اصول پر مبنی ہے اور یہاں تک کہ تمام اہل کتاب سے صرف ایک ہی مسئلے کے محور پر اتحاد کا مطالبہ کیا ہے تاکہ معاشرہ عدم برداشت کی لعنت سے نجات پا سکے۔

اسی طرح خود مسلم برادری کے لئے اسلام ایک اور نہایت ہی خوب صورت فرمولا پیش کرتا ہے اور وہ «اخوت» کا اصول ہے، تاکہ اسلامی برادری کے مابین تعلقات اخوت پر مبنی ہوں۔ اس طرح مسلم معاشرے کے تعلقات باہمی اعتماد پر استوار ہوں اور ایک سالم اور دلسوز معاشرہ وجود میں آسکے، جو پر امن طریقے سے مسلم معاشرے کی تربیت کر سکے: «إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ» (حجرات، ۱۰)؛ مومنین تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا تم لوگ اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

انسانوں کے مابین صلح کرنا، معاشرے اندر مفاہمت پیدا کرنا، مختلف ممالک اور اقوام کے مابین امن پیدا کرنا تقویٰ اور خوف خدا کی علامت ہے اور یہ متقی لوگوں کی صفت ہے اور اس عمل کی وجہ سے خدا کی خصوصی رحمت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔

امام علی علیہ السلام کے اقوال میں امن کی بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے مالک اشتر کو جو خط لکھا اس میں وصیت فرمائی:

«وَلَا تَدْفَعَنَّ صُلْحاً دَعَاكَ إِلَيْهِ عَدُوُّكَ وَلِلَّهِ فِيهِ رِضًا» (مجلسی، بحارالانوار، ج ۳۳، ص ۶۰۰)؛ اگر تمہارا دشمن تمہیں صلح کی دعوت دے اور اس میں خدا کی رضا بھی ہو تو اس (صلح) کو ہر گز ہر گز رد نہ کرو۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بیٹوں امام حضرت امام حسن علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر عزیز و اقارب اور مومنین کو وصیت کرتے ہوئے، اس بات پر زور دیا ہے کہ لوگوں میں اصلاح، ان کی زندگی کی اولین ترجیح ہونی چاہئے: «اوصيكما وَجَمِيعَ وَلَدِي وَأَهْلِي وَمَنْ بَلَغَهُ كِتَابِي بِتَقْوَى اللَّهِ وَنَظْمِ أَمْرِكُم وصلاح ذات بينكم» (فیض الاسلام، نہج البلاغہ، نامہ ۵۳)؛ میں آپ دونوں یعنی امام حسن و حسین علیہما السلام اور اپنی تمام اولاد اپنی آل و دیگر عزیز و اقارب اور جن تک میری تحریر پہنچے، سب کو تقوی الہی، تمہارے درمیان امور میں نظم اور

تمہارے درمیان امور و معاملات میں اصلاح اور بہتر کی سفارش کرتا ہوں۔ معاشرتی اصلاح یا بگاڑ کا راز، ان تین اہم اصول کی رعایت اور عدم رعایت میں مضمر ہے.

امن کے تین سنہری اصول:

ایک معاشرے میں، دوسروں کے حقوق کی پامالی، دوسروں کی شخصیت کی بے حرمتی اور دوسروں سے جینے کا حق سلب کرنے کی وجہ سے معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں ایسا معاشرہ جہنم سے کم نہ ہوگا جس میں انصاف کی جگہ بد عنوانی، فساد اور بغاوت جنم لیتی ہے۔ اگر ایک معاشرے میں دوسروں کے حقوق اور شخصیت کا احترام اور دوسروں کے جینے کا حق محترم گنا جائے تو اس معاشرے میں انسانیت کی پرورش ہوگی اور ہم انسان کہلانے کا حق دار ہونگے۔ امن و امان اس معاشرے میں نظر آئے اور ایسا معاشرہ ہر جہت سے مستحکم ہوگا۔ اسی واسطے اسلام کے نقطہ نظر سے امن کے تین سنہری اصولوں کو سمجھنا معاشرتی انقلاب کے لئے ضروری ہے:

۱. انسانی حقوق کی رعایت؛ ۲. دوسروں کی شخصیت کا احترام ۳. اور دوسروں کو جینے کا حق دینا؛

۱. انسانی حقوق کی رعایت

امام علی علیہ السلام نے اپنی پوری حیات طیبہ کے دوران اس اہم انسانی اصول پر کاربند رہیں حتی اپنی ظاہری خلافت کے دوران، انہوں نے اپنی حکومت کے عاملین کو سختی سے اس اصول پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے اپنی مختصر حکومت میں انسانیت کو بام بلندی عطا کی اور کسی کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ایک مرتبہ علی علیہ السلام کی عادلانہ تقسیم پر عقیل آپ کے بھائی نے بھی اعتراض کیا اور بولا: «فتجعلنی و إسود فی المدینة سواء. فقال: اجلس ما کان ہاہنا إحد یتکلم غیرک و ما فضلک علیہ إلا بسابقة إو تقوی» (فقہ الصادق علیہ السلام (للروحانی)، ج ۱۳، ص ۱۴۵)؛ تم مجھے اور کالے لوگوں کو شہر میں ایک جیسا کر دو گے یعنی ہمیں حقوق برابر دیں گے؟ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، یہاں تمہارے سوا کوئی نہیں بول رہا، لیکن اس حصے میں بولنے والا کوئی نہیں ہے؟ صدقہ تمہارے لیے نہیں بلکہ دین اور تقویٰ میں سابقہ کے لیے ہے۔ اور تمہاری کیا فضیلت ہے اس پر اور تم کو اس پر فضیلت نہیں دی سوائے اس کے کہ اگر فضیلت ہے تو وہ اسلام میں سبقت اور تقویٰ کی وجہ سے فضیلت ہے۔ یعنی بیت المال برابر ہی تقسیم ہوگا حاکم کے بھائی اور شہری سیاہ پوست شخص کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا. یہ ہے احترام اور انسانی حقوق کی رعایت کی عالی ترین مثال. اگر حاکم عادل ہوگا تو معاشرہ خود بخود عدالت کی طرف جائے گا: «صِنفَانِ مِنۡ اُمَّتِی اِذَا صَلَحَا صَلَحَتۡ اُمَّتِی وَاِذَا فَسَدَا فَسَدَتۡ اُمَّتِی

قِیلَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ وَ مَنْ ہُمَا قَالَ الْفُقَہَاءُ وَ الْأُمَرَاءُ» (مجلسی، بحار الانوار، ج۲، ص۴۹). اسی طرح حاکم کے بدلنے لوگ خود بخود بدل جائیں گے. معاشرے میں اکثر لوگ حکمرانوں کی روش اور راہ پر چلتے ہیں: «الناس علی دین ملوکھم» (مہری، شرایط کارگزاران از دیدگاہ نہج البلاغہ (۴): فرہنگ کوثر ۱۳۷۶ شمارہ ۱۲).

اگر کسی معاشرے میں افراد کے مالی حقوق کی پامالی نہ کی جائے، ممالک اور حکومتوں کے حقوق کا احترام کیا جائے تو اس معاشرے میں کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ایسا معاشرہ انصاف کی طرف گامزن ہوگا۔

انسانی حقوق کا احترام (جس سے آج مغرب کے لوگ استعمال کر کے دوسروں کو متاثر کرتے ہیں) بنیادی طور پر اسلام کے ایک حتمی اور غیر متزلزل اصولوں میں سے ایک ہے، جسے قرآن "وقار و کرامت" کہتا ہے: «وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِی آدَمَ وَحَمَلْنَاہُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاہُمْ مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاہُمْ عَلٰی کَثِیرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیلًا» (اسراء، ۷۰)؛

اور بتحقیق ہم نے اولاد آدم کو عزت و تکریم سے نوازا اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سواری دی اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں بڑی فضیلت دی۔

اس آیت میں خدا نے انسان کو عزیز و مکرم جانا ہے اور اس کو دوسری مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے. خداوند عالم نے انسان میں اپنی روح ڈال کر عزت و احترام بخشا اور فرمایا: «فَإِذَا سَوَّیْتُہُ وَنَفَخْتُ فِیہِ مِنْ رُوحِی فَقَعُوا لَہُ سَاجِدِینَ» (ص، ۷۲).

انسان الٰہی روح کا علمبردار ہے، اور اسی وجہ سے مسجود ملائکہ قرار پایا اور تمام فرشتوں کو جھک کر انسان کے عظیم مقام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، اور جس نے انسان کا احترام نہیں کیا وہ گمراہ ہوا اور راندہ درگاہ خدا ہوا: «قَالَ أَرَأَیْتَکَ ہٰذَا الَّذِی کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ لَأَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہُ إِلَّا قَلِیلًا» (اسراء، ۶۲)؛

پھر کہا: مجھے بتاؤ! یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟ اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو قلیل تعداد کے سوا میں اس کی سب اولاد کی جڑیں ضرور کاٹ دوں گا۔

انسانی حقوق کی سب سے پہلی خلاف ورزی کرنے والا شیطان تھا۔وہ نہیں جانتا تھا انسان کو خلافت الٰہی کا درجہ حاصل ہے: «وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَۃِ إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَۃً» (بقرہ، ۳۰) اور علم الٰہی کا حامل ہے: «وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ کُلَّہَا» (بقرہ، ۳۱) ۔

انسان کے عزت و احترام کو مد نظر رکھا جانا چاہیے، لیکن شیطان نے سب سے پہلے انسان کی بے حرمتی

اور انسانی حقوق کی پامالی کی تھی: «وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ» (بقرہ، ۳۴) [۱۱] اس وجہ سے انسان اور شیطان کے مابین لامتناہی جنگ چھڑ گئی جو قیامت تک چلتی رہے گی اور ایک انتہائی خطرناک جنگ ہے یہ جسمانی اور ہتھیاروں کی جنگ نہیں ؛بلکہ ایک سرد اور نامرئی جنگ ہے جس کو علائم سے پہچانیں گے اور چشم بصیرت سے دشمن کو شکست دیں گے۔

امیر المومنین امام علی علیہ السلام اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے، آدم علیہ السلام کے سجدہ کو انسانیت کے احترام کی ایک وجہ سمجھتے ہیں: «وَاسْتَأْدَى اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى الْمَلَائِكَةَ وَدِيعَتَهُ لَدَيْهِمْ وَعَهْدَ وَصِيَّتِهِ إِلَيْهِمْ فِي الْإِذْعَانِ بِالسُّجُودِ لَهُ وَالْخُنُوعِ لِتَكْرِمَتِهِ فَقَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ وَقَبِيلَهُ اعْتَرَتْهُمُ الْحَمِيَّةُ وَغَلَبَتْ عَلَيْهِمُ الشِّقْوَةُ» (مجلسی، بحار الانوار، ج۱۱، ص۹۷)؛

خداوند عالم نے فرشتوں سے کہا جو وہ ان کے سپرد کیا تھا اسے پورا کرے، اور جس چیز کا عھد کیا تھا، اور آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اس کے وقار اور عظمت و کرامت کی پاسداری کرے، پھر اس نے کہا: "آدم کو سجدہ کرو"، سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس اور اسکے اعوان و انصار نے جن پر ننگ و عار نے غلبہ پا لیا۔

انسان کو صلح و صفائی کے ذریعے ایک دوسرے کے عزت و وقار کا خیال رکھنا چاہیے: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ» (حجرات، ۱۳). انسان کا احترام اور عزت اس کے تقوی اور خوف خدا سے منسلک ہے جتنا انسان کے میں خدا کا خوف ہوگا اتنا ہی انسان برائیوں سے بچ سکے گا اور جتنا انسان برائی سے بچ پائے گا اتنا ہی وہ خدا کا مقرب بن جائے گا اور اس کی اجتماعی عزت بھی بڑھ جائے گی۔

۲. شخصیت کا احترام

دوسروں کی شخصیت کا احترام کرنے سے افراد اور ممالک کے درمیان لڑائی جھگڑے سے بچا جا سکتا ہے اور یہ اصول معاشرے کو ایک بہترین اور مثالی معاشرہ بنانے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے اور ایک مدینہ فاضلہ کی طرف بڑھ سکتا ہے۔

انسان کا اصل احترام تقوی الہی میں ہے، انسان جتنا خدا کے قریب ہوتا جاتا ہے خداوند اسے اتنی ہی عزت عطا کرتا جاتا ہے اور جب تک معاشرے میں انسانی وقار کا اصول باقی رہتا ہے، امن و سلامتی بھی رہتی ہے۔امام علی علیہ السلام اس اصول کو "خود انسان کا احترام اور اس کی شخصیت کا احترام سمجھتا ہے اور انسان کے احترام کو محفوظ

رکھناایک ایسا اصل ہے جوخود انسان کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے اور لوگوں کو مزید اس سچائی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «لا تکن عبد غیرک وقد جعلک اللہ حراً» (نھج البلاغۃ، فیض الاسلام، خطبہ ۲۷)؛ اے انسان تم خود کو کسی اور کا غلام مت بنانا کیونکہ خدا نے تم کو آزاد پیدا کیا ہے۔

غلامی انسانی وقار سے متصادم ہے اس لئے ضروری ہے کہ غلامی کی سوچ بھی معاشرے میں غالب نہ آنے پائے۔ انسان کا بعنوان انسان ہونے کے اعتبار سے معاشرے میں احترام برقرار رہنا چاہیے: «خَرَجَ اَمیرُ الْمُؤمِنینَ علیہ السلام عَلیٰ اَصحابِهِ وَهُوَ راکِبٌ فَمَشَوا خَلْفَهُ فَالْتَفَتَ إِلَیْهِمْ فَقالَ لَکُمْ حاجَةٌ فَقالُوا لا یا اَمیرَ الْمُؤمِنینَ وَلٰکِنّا نُحِبُّ اَنْ نَمْشِیَ مَعَکَ فَقالَ لَهُمُ انْصَرِفُوا فَاِنَّ مَشْیَ الْماشی مَعَ الرّاکِبِ مَفْسَدَةٌ لِلرّاکِبِ وَمَذَلَّةٌ لِلْماشی» (مجلسی، بحارالانوار، ج۵۵، ص۴۱)؛ (http: //ensani.ir/fa/article).

گھڑ سوار کے ساتھ پیدل چلنا سوار کے انحراف اور گمراہی کا باعث بنتا ہے اور مومن کی تذلیل کا سبب بنتا ہے، کیونکہ تمام انسان برابر ہیں۔امام علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو مصر کے گورنر کی حیثیت سے اپنے خط میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا: «وَلا تَکُونَنَّ عَلَیْهِمْ سَبُعاً ضارِیاً تَغْتَنِمُ اُکُلَهُمْ فَاِنَّهُمْ صِنْفانِ اِمّا اَخٌ لَکَ فِی الدِّینِ وَاِمّا نَظیرٌ لَکَ فِی الْخَلْقِ» (مجلسی، بحارالانوار، ج۳۳، ص۶۰۰). اور ان کے لیے شکاری اور پھاڑنے والے درندے کی طرح مت بنو کہ تم ان کو غنیمت جان کر کھالو کیونکہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں: یا تو وہ آپ کے دینی بھائی ہیں یا آپ کی طرح کے انسان ہیں۔ہر دو حالت میں انسان کا احترام باقی ہے اور اس کی شخصیت کا احترام ضروری ہے۔

امام علی علیہ السلام کی حکومت میں تمام انسانوں کے درمیان باہمی احترام اور مساوات قائم تھی۔امام کے دائرہ حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا، لہٰذا جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ معاویہ کی فوج کے لٹیروں نے لوگوں پر حملہ کر دیا ہے اور خواتین کے زیورات کو ذلت کے ساتھ اتارا گیا ہے تو آپ بہت پریشان ہوئے اور فرمایا:

«لَقَدْ بَلَغَنی اَنَّهُ کانَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الشّامِ یَدْخُلُ عَلَی الْمَرْاَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالْمُعاهَدَةِ فَیَنْتَزِعُ اَحْجالَهُما وَرُعُثَهُما، ... فَلَوْ اَنَّ امْرَاً مُسْلِماً ماتَ مِنْ دُونِ هٰذا اَسَفاً، ما کانَ عِنْدی فیهِ مَلُوماً، بَلْ کانَ عِنْدی بِهِ جَدیراً» (مجلسی، بحارالانوار، ج۳۴، ص۱۴۳)؛ (http: //www.imam-khomeini.ir)؛

مجھے اطلاع ملی ہے کہ ان میں سے (لٹیرے) ایک مسلمان عورت اور ایک غیر مسلم عورت کے گھر میں داخل ہوئے اور ان کے زیورات ان کے جسم سے اتار کر بھاگ گئے... اگر اس واقعہ کو ایک مسلمان سن کر تکلیف کی وجہ سے مر جائے تو میرے خیال میں مذمت کا مستحق نہیں، بلکہ میرے نزدیک وہ ستائش اور تعریف کا

مستحق ہے۔

مذہب سے قطع نظر، انسان کی حیثیت کا احترام کرنا، انسان ہونے کی علامت ہے گویا کہ انسانی احترام و کرامت کا کوئی نعم البدل نہیں: «وَأَكْرِمْ نَفْسَكَ عَنْ كُلِّ دَنِيَّةٍ وَإِنْ سَاقَتْكَ إِلَى رَغْبَةٍ فَإِنَّكَ لَنْ تَعْتَاضَ بِمَا تَبْذُلُ مِنْ نَفْسِكَ عِوَضاً وَلَا تَكُنْ عَبْدَ غَيْرِكَ وَقَدْ جَعَلَكَ اللَّهُ حُرّاً» (مجلسی، بحارالانوار، ج ۷۴، ص ۲۲۶)؛ (https://fa.wikipedia.org) ہر پستی میں پڑنے سے گریز کرو جس دنیاوی منافع کے لیے اپنی عزت و آبرو کو داؤ پر لگا رہے ہو تمہیں مل جائے گا لیکن کچھ حاصل نہیں ہوگا اور کسی کے غلام نہ بنو کیونکہ اللہ تعالی نے آپ کو آزاد پیدا کیا ہے۔

مولا علی علیہ السلام کی عادلانہ حکومت میں سب امن و سلامتی کے ماحول میں زندگی بسر کرتے تھے، حالانکہ اسلام کے دشمنوں نے ان کے خلاف تین جنگیں (جمل، صفین اور نہروان) لڑیں۔ لیکن امام علی علیہ السلام کا معاشرے کے تمام افراد سے عدل و انصاف سے کام لینا مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت کرنا، امام علیہ السلام کی الٰہی شخصیت کا مظہر ہے۔

چنانچہ جب آپ کی ملاقات ایک عیسائی آدمی سے ہوئی جو معذور تھا اور معاشرے کے لوگوں نے اسے اکیلا چھوڑ دیا تھا، اس کی ایسی حالت دیکھ کر آپ علیہ السلام سے برداشت نہ ہوا اور آپ نے حکم دیا: «إِلَى حَمْزَةَ عَنْ رَجُلٍ بَلَغَ بِهِ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ علیہ السلام قَالَ: مَرَّ شَيْخٌ مَكْفُوفٌ كَبِيرٌ يَسْأَلُ فَقَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ علیہ السلام مَا هَذَا فَقَالُوا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ علیہ السلام نَصْرَانِيٌّ قَالَ فَقَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ علیہ السلام اسْتَعْمَلْتُمُوهُ حَتَّى إِذَا كَبِرَ وَ عَجَزَ مَنَعْتُمُوهُ أَنْفِقُوا عَلَيْهِ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ» (شیخ طوسی، تهذیب الاحکام، ج ۶، ص ۲۹۲، ح ۸۱۱۔)؛

امام ایک معذور بوڑھے آدمی کے پاس سے گزرے جو غربت کی وجہ سے بھیک مانگ رہا تھا۔امام نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ یہ نہ فرمایا یہ کون ہے؟ بلکہ اس حالت کے بارے میں سوال فرمایا؟ تو انہوں نے کہا: وہ ایک عیسائی آدمی ہے (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے کہ آپ اس کی اس حالت پر پریشان مت ہوں)، تو آپ نے فرمایا: جب اس شخص میں کام کرنے کی طاقت اور ہمت تھی اس سے کام کرواتے رہے اب جبکہ اس میں کام کرنے کی طاقت نہیں تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا؟ اس کے بعد آپ نے اس آدمی کا خرچ بیت المال دینے کا حکم دیا کہ اب اس ضعیف شخص کا خرچہ بیت المال سے دیا جائے گا۔

دوسروں کی شخصیت کا احترام چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی، شہری ہو یا دیہاتی، لازم ہے اسی طرح کسی ملک یا

قوم یا مکتب کا احترام امن اور مفاہمت کی بحالی کے لئے نہایت اہم ہے۔ اگر یہ احترام ختم ہو جائے تو یہ آغاز جنگ اور کشمکش کی ابتداء اور سر آغاز ہے اور اس کے سنگین نتائج کا کسی کو کوئی علم نہیں ہے۔

۳. دوسروں کو جینے کا حق دینا

دوسروں کے لئےایک مسالمت آمیز زندگی کے حق کو قبول کرنا، (http://ensani.ir/fa/article)، اور جینے کا حق دینا، پرامن معاشرتی زندگی کا باعث بنے گا اور یہ چیز معاشرے کو کمال کی طرف لے جائے گی۔ ہر انسان کو بحیثیت انسان یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی معاشرہ میں باعزت و باکرامت طریقے زندگی کرے اور جیئے یہ ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے اس کے اس مسلم حق کو چھین لے۔ جب تک معاشرہ اس حق کا احترام کرے گا اور لوگ اس حق سے بہرہ مند ہوں گے، تب تک کوئی حرج نہیں ہوگا اور معاشرہ پر سکون اور امن کا گہوارہ بن جائے گا۔

دوسروں کی شخصیت کے احترام کرنا، چاہے وہ فرد ہو یا معاشرہ، شہر ہو یا ملک، مکتب فکر ہو یا ایک ملت، امن وآشتی کا سبب بنتا ہے۔ اگر کسی جگہ پر باہمی احترام کو مد نظر نہ رکھا جائے وہاں جنگ وجدال چھڑ جاتا ہے، پھر اس معاشرہ کا حال اللہ ہی جانے اور نہیں معلوم یہ جنگ جدال کا سلسلہ کہاں پر ختم ہو!

امیر المومنین امام علی علیہ السلام ہمیشہ امن کی کی حمایت فرمائی اور آپ کے فرامین اور سیرت میں بھی اسی چیز کو اہمیت دی گئی ہے۔ آپ نے ہمیشہ ناحق خون بہانے سے روکا کیونکہ ناحق خون حکمرانی کو بہا کر لیجائے گا اور ایسا شخص بہت جلد موت کی اغوش میں چلا جائے گا اور نہ رکنے والے خدائی عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ اسی سلسلے میں آپ مسلسل طور پر لوگوں کی راہنمائی فرماتے رہے ہیں یہاں تک کہ مصر کے گورنر مالک اشتر کو لکھے گئے اپنے مشہور خط میں بھی انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے:

«إِيَّاكَ وَالدِّمَاءَ وَسَفْكَهَا بِغَيْرِ حِلِّهَا، فَإِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ أَدْنَى لِنِقْمَةٍ وَلَا أَعْظَمُ لِتَبِعَةٍ، وَلَا أَحْرَى بِزَوَالِ نِعْمَةٍ، وَانْقِطَاعِ مُدَّةٍ، مِنْ سَفْكِ الدِّمَاءِ بِغَيْرِ حَقِّهَا» (مجلسی، بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۶۱۱)؛ افراد کا ناحق خون بہانے سے پرہیز کرو، کیونکہ ناحق خون کی وجہ سے خدا کی پکڑ اور سزا، زوال نعمت اور موت نزدیک کرنے کا سبب بنتی ہے۔

اس خط میں آپ علیہ السلام مالک کو ہدایت کی ہے کہ وہ ناجائز خون بہانے سے باز رہے، کیوں کہ یہ عمل خدا کے عذاب میں جلدی کرے گا، اور وہ ظالم اس ظلم کی وجہ عذاب الہی میں گرفتار ہوگا اور اس سے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا،

حضرت امام علیہ السلام مزید اس طرف اشارہ فرماتے ہیں: «وَاللّٰهُ مُبْتَدِءٌ بِالْحُکْمِ بَيْنَ الْعِبَادِ فِيمَا تَسَافَكُوا مِنَ الدِّمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (مجلسی، بحارالانوار، ج ۳۳، ص ۶۱۱؛ https: .https: //karevansadeghiye.ir (//zucela.governlearnmultiply

اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوسروے لوگوں کے فیصلوں سے پہلے ناحق خون کے بارے میں فیصلہ سنائے گا، حکمران کو خدا سے ڈرنا چاہیئے، اور اگر حکمران خدا سے ڈرتا رہے گا، تو معاشرہ گلستان ہوگا اور اس معاشرے میں کسی قسم کی عدم تحفظ دیکھا نہیں جائے گا۔ بیشتر بغاوتوں کا آغاز حکمرانوں کے ناحق قتل سے شروع ہوتا ہے اور پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مالک اشتر کو مخاطب ہو کر فرمایا: «فَلاَ تُقَوِّيَنَّ سُلْطَانَکَ بِسَفْکِ دَمٍ حَرَامٍ، فَإِنَّ ذٰلِکَ مِمَّا يُضْعِفُهُ وَيُوهِنُهُ بَلْ يُزِيلُهُ وَيَنْقُلُهُ، وَلاَ عُذْرَ لَکَ عِنْدَ اللّٰهِ وَلاَ عِنْدِي فِي قَتْلِ الْعَمْدِ» (http: //iemt.blogfa.com/post/699)، لہٰذا حرام خون بہا کر اپنی حکومت کو کمزور نہ کرو۔ کیوں کہ ناجائز خون حکومت کی بنیادوں کو کمزور کرتا ہے، اور حکومت کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور دوسروں کو منتقل کرتا ہے اس حکومت کو جاتا ہے، تمھارے ناحق خون بہانے کا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا نہ میرے سامنے اور نہ ہی خدا کی بارگاہ میں کیونکہ اس کی سزا قصاص ہے اور اس سے کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مولا علی علیہ السلام کے اس پر اثر کلام کو مختلف بااثر شخصیات کے گھروں میں لٹکانا چاہیئے خاص کر حکمران طبقہ جیسے وزیر اعظم، صدر، وزراء، گورنر وغیرہ کے گھروں پر لکھ کر آویزاں کرنا چاہیے کہ ناحق خون بہانے سے حکومت مستحکم نہیں ہوگی بلکہ یہ کام حکومت کے زوال کا سبب بنے گا اور ناحق خون حکومت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دے گا اور حکمران کی قوت وطاقت کو بہت جلد ختم کر دیتا ہے۔

اس مختصر کلام میں امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے نہایت فصاحت اور بلاغت کے ساتھ، دوسروں کے حقوق کو واضح طور مجسم کیا۔ اگر انسانی حقوق کو قبول اور تسلیم کر لیا گیا تو یہ جنگ وجدال کو جڑ سے ختم کر دے گا کیونکہ اقتدار، دولت اور دوسروں سے زیادہ مفاد لینے کی لالچ میں جنگ وجدال کا بازار گرم رہتا ہے۔ ایسی صورت حال میں دوسروں کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، اور زیادہ سے زیادہ طاقت کے حصول اور حکومت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے، معاشرہ سے امن وسلامتی کو ختم کر دیتا ہے، اور یہ عمل فتنہ و فساد کا سبب بنتا ہے اور معاشرہ جہنم کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ قرآن کریم مختلف ادوار اور مختلف اقوام کی مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ

آنے والی نسل ان غلطیوں سے بچے اور برباد نہ ہو جائے: «اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ» (یس، ۳۱)، (http: //tadabbor.org/) ۔اسی طرح بعض اقوام تو معاشی اعتبار سے بھی بہت مضبوط تھی لیکن آج ان کا کوئی پتہ نہیں: «وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ» (ق، ۲۴)، (https: //wiki.ahlolbait.com) دین انسان کی بقا چاہتا ہے اور ممکن اور جائز طریقہ استعمال کرتا ہے تاکہ انسان بربادی سے بچ سکے.

یاد رکھیں: دوسروں کے حقوق کا لحاظ ایک خالص قرآنی نظریہ ہے جو انسانیت کو اس سچائی کی طرف لے جاتا ہے کہ جہاں ایک انسان کی نجات کو تمام انسانوں کی نجات کے مساوی قرار دیتا ہے، اسی طرح ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے: «مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِي اِسْرَائِيلَ اَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا» (مائدہ، ۳۲)؛

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ (حکم) مقرر کر دیا کہ جس نے کسی ایک کو قتل کیا جب کہ یہ قتل خون کے بدلے میں یا زمین میں فساد پھیلانے کے جرم میں نہ ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی ایک کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی اور بتحقیق ہمارے رسول واضح دلائل لے کر ان کے پاس آئے پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ ملک میں زیادتیاں کرنے والے ہی رہے۔

اس طرح کی دینی دستاویزات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے حقوق کی رعایت ایک قرآنی اصول ہے جس سے معاشرے میں امن و امان قائم ہوتا ہے اور یہ اصول معاشرے کو قومی، سیاسی، ثقافتی، مذہبی اور فرقہ وارانہ تنازعات سے بچاتا ہے اور ایک محفوظ اور تکامل یافتہ مستقبل کی ضمانت دیتا ہے۔

نتیجہ

اجتماعی زندگی، مصالحت، مفاہمت اور احترام متقابل کی بنیادوں پر استوار ہونا چاہیے اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید راہنمائی کرتا ہے اور امام علی) علیہ السلام) کی سیرت طیبہ میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے. قرآن مجید اور امیر المومنین علیہ السلام کے کلام میں مشترک طور پر مختلف اقوام، ممالک، قبائل اور معاشرتی زندگی میں امن پیدا کرنے کے تین مقدر ساز اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اگر ان اصولوں پر عمل ہو جائے تو بہت سارے معاشرتی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید اور امیر المومنین علیہ السلام کے اقوال میں، مختلف ممالک، اقوام اور معاشروں کے مابین امن پیدا کرنے کے لئے تین سنہری اصول موجود ہیں، جو بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ انسانی حقوق کا

احترام، دوسروں کی شخصیت کا احترام اور دوسروں کے حقوق کو قبول کرنا، یہ وہ اصول ہیں جن کی رعایت کرنے سے انسانی معاشروں میں سلامتی، فلاح و بہبود اور پایدار امن کی بنیاد پڑھ سکتی ہے۔

اسلام سب انسانوں کو امن و سلامتی کی دعوت دیتا ہے یہاں تک کہ اہل کتاب کو ایک ہی محور کی طرف بلاتا ہے، ایک ہی کلمہ حق کی طرف اتحاد کی دعوت دیتا نظر آتا ہے۔

اسلام کسی کے ساتھ زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا. صرف معاشرے میں انتشار اور دشمنوں کے مقابلہ میں اسلام کی شان و شوکت کے تحفظ کی صورت میں جنگ کی اجازت دیتا ہے، بصورت دیگر ایک شخص کا قتل تمام انسانوں کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے اور ایک شخص کی نجات پوری انسانیت کی نجات کے مترادف سمجھتا ہے۔ لہذا اسلام میں اصل، صلح ہے اور جہاں پر صلح کا امکان نہ ہو تو وہاں پر محدود انداز میں، خاص شرائط کے ساتھ جنگ کی اجازت دیتا ہے۔

منابع:

۱. قرآن کریم؛

۲. نہج البلاغہ؛

۳. جعفری لنگرودی، محمد جعفر، ترمینولوژی حقوق، کتابخانہ گنج دانش، ۱۳۶۷ش؛

۴. شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، دار الاضواء، بیروت ۱۴۳۰ق۱۴۳۰؛

۵. عمید، حسن، فرہنگ عمید، انتشارات امیر کبیر تہران، ۱۳۶۳؛

۶. فیض الاسلام، علی نقی، نہج البلاغہ، تہران، بی نا، ۱۳۶۴؛

۷. مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت، بی نا، موسسۃ الوفاء؛

۸. مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، انتشارات صدرا، قم؛

۹. روحانی، سید محمد صادق، فقہ الصادق علیہ السلام، قم: دار الکتاب، ۱۴۱۳ق؛

۱۰. مہری، علامہ/سید مصطفیٰ، مہری، شرایط کار گزاران از دیدگاہ نہج البلاغہ (۴): فرہنگ کوثر ۱۳۷۶ شمارہ ۱۲.

11. https: //www.leader.ir/fa
12. https: //wiki.ahlolbait.com
13. http: //tadabbor.org/
14. http: //iemt.blogfa.com/post/699
15. https: //karevansadeghiye.ir/
16. https: //zucela.governlearnmultiply.top
17. http: //ensani.ir/fa/article
18. https: //fa.wikipedia.org
19. http: //www.imam-khomeini.ir
20. http: //ensani.ir/fa/article